مولانا محمد قاسم نانوتوی

پروفیسر محمد ایوب قادری

ابتدائی حالات

قصبہ نانوتہ کے اکابر میں مولانا محمد قاسم نے جس قدر شہرت پائی، اتنی کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی اس کا سبب اُن کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو آج بھی دارالعلوم دیوبند کی شکل میں موجود ہے اور علوم اسلامی کی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام خورشید حسین[1] ہے ان کے والد شیخ اسد علی مولانا مملوک علی نانوتوی کے ہم عمر تھے اور ان کے ہمراہ تحصیلِ علم کی غرض سے دہلی گئے تھے لیکن علم سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے فارسی کی چند کتابوں سے آگے نہ بڑھ سکے اور وطن واپس آگئے اپنے کاشت کاری کے کاموں میں لگ گئے۔ اُن کے عادات و اطوار بھی قصباتی لوگوں کی طرح تھے۔ ایک موقعہ پر مولانا محمد قاسم کے نہایت بے تکلف دوست[2] مولانا فیض الحسن سہارن پوری (ف ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) نے اسی وجہ سے ان پر "پور روستائی" کی پھبتی کسی تھی۔ ایسے باپ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد قاسم جیسا گوہر شب چراغ عطا فرمایا کہ جس کی ضیاء باریوں سے ایک عالم مستنیر ہوا۔

تعلیم

مولانا محمد قاسم کی تعلیم کا آغاز نانوتہ ہی میں ہوا۔ وہیں انھوں نے قرآن کریم اور مکتبی تعلیم ختم کی۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ان کے دادا غلام شاہ اور تفضل حسین سے جھگڑا ہوا جس میں مولانا محمد قاسم کے ماموں فصیح الدین بن وجیہ الدین کے ہاتھ سے تفضل حسین مارے گئے۔ مولانا محمد قاسم کو دیوبند بھیج دیا گیا یہاں انھوں نے کچھ دنوں مولوی مہتاب علی کے مکتب میں اور شیخ نہال احمد

---

[1] سوانح عمری مولانا محمد قاسم از مولانا محمد یعقوب نانوتوی ص ۲۔

[2] ارواح ثلاثہ ص ۲۴۰

سے پڑھا پھر اپنے نانا کے پاس سہارن پور چلے گئے جو وہاں وکیل تھے۔ سہارن پور میں انھوں نے مولوی محمد نواز سے عربی کے ابتدائی رسالے پڑھے۔ ۱۲۵۹ھ میں مولوی صاحب کے نانا کا انتقال ہو گیا۔ مولانا محمد قاسم نے دیوبند اور سہارن پور میں رہ کر فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ ۲ محرم ۱۲۶۰ھ کو مولانا مملوک علی ان کو اور اپنے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب کو تعلیم کی غرض سے دہلی لے گئے۔ ۴ محرم ۱۲۶۰ھ کو مولانا نے کافیہ شروع کیا۔[۱] پھر مولانا محمد قاسم کو دہلی کالج میں داخل کرا دیا مگر مولانا محمد قاسم امتحان میں شریک نہ ہوئے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ لکھتے ہیں[۲]:

"والد مرحوم (مولانا مملوک علی) نے مولوی (محمد قاسم) صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری میں داخل کیا ...... جب امتحان سالانہ کے دن ہوئے مولوی صاحب امتحان میں شریک نہ ہوتے اور مدرسہ چھوڑ دیا۔ سب اہل مدرسہ کو علی الخصوص ہیڈ ماسٹر صاحب کو کہ اس وقت میں مدرس اول انگریزی تھے نہایت افسوس ہوا۔"[۳]

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حساب اور اقلیدس کا نصاب قلیل مدت میں ختم کر لیا کہ طلبہ اور اساتذہ دونوں کو حیرت ہوئی بلکہ ماسٹر رام چندر نے تو مولوی ذکاء اللہ کے ذریعہ چند سوال بھیج کر بالواسطہ امتحان بھی لیا، اور مولانا اس میں کامیاب ہوئے۔ مولانا محمد قاسم نے علوم متداولہ کی تکمیل مولانا مملوک علی اور مفتی صدر الدین آزردہ سے کی اور علم حدیث مولانا احمد علی سہارن پوری اور شاہ عبدالغنی مجددی سے حاصل کیا۔

مطبع احمدی کی ملازمت

مولانا نانوتوی کے تلمیذ حکیم منصور العلی خاں مراد آبادی نے بصراحت بتایا ہے کہ صحیحین اور سنن ثلثہ شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھیں اور سنن ابو داؤد مولانا احمد علی سہارن پوری سے پڑھی۔[۴] مولانا محمد قاسم نانوتوی نے طالب علمی کے زمانے ہی میں مولانا احمد علی سہارن پوری کے مطبع احمدی (دہلی) میں تصحیح وغیرہ کے سلسلہ میں ملازمت کا تعلق

۱۔ یہ تمام واقعات "سوانح عمری مولانا محمد قاسم" ص۳-۵ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ "سوانح عمری مولانا محمد قاسم" ص۵-۶۔

۳۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دہلی کالج کے طالب علم ہونے کے متعلق تفصیل سے بحث ہم نے مولانا محمد احسن نانوتوی کے "تعلیم" کے عنوان میں کی ہے۔

۴۔ مذہب منصور جلد دوم ص۱۸۱-۱۸۲۔

پیدا کر لیا تھا۔[۱] غرض ان ہی تعلقات کی بنا پر مولانا نانوتوی نے مولانا سہارن پوری سے سنن ابو داؤد پڑھی ہو گی۔ مولانا نانوتوی کے خاص ہم درس اور رفیق مولانا رشید احمد گنگوہی تھے۔ مولانا گنگوہی کے متعلق یقینی طور سے معلوم ہے کہ بسلسلہ تعلیم ان کا دہلی میں قیام چار سال رہا اور ۱۲۶۵ھ میں وہ فارغ ہو کر وطن چلے گئے۔[۲]

ہمارا خیال یہ ہے کہ اسی زمانہ میں مولانا نانوتوی بھی فارغ التحصیل ہو چکے ہوں گے اس لئے کہ ۱۲۶۷ھ میں صحیح بخاری کا محشیٰ نسخہ مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوا[۳] اور اس میں مولانا نانوتوی نے تصحیح و تحشیہ کے فرائض انجام دیئے تھے۔ لہٰذا مولانا نانوتوی کا ۱۲۶۷ھ سے قبل فارغ التحصیل ہونا ضروری ہے خیال یہ ہے کہ ۱۲۶۵ھ ہی میں مولانا نانوتوی بھی فارغ ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد ان کا تعلق بصیغہ تدریس مفتی صدر الدین آزردہ کی درس گاہ مدرسہ دار البقاء سے ہو گیا، جس کو مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے غلطی سے "مدرسہ انگریزی واقع دہلی" لکھ دیا ہے[۴] ممکن ہے مفتی صدر الدین آزردہ کے سرکاری تعلقات کی بنا پر یہ بات لکھی گئی ہو۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے مدرسہ دار البقاء کے تعلق کا ذکر مبہم الفاظ میں کیا ہے۔[۵] غرض مولانا نانوتوی نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی ہی میں تدریس و تصحیح کتب کے کام میں لگ گئے۔

تحشیہ بخاری

مولانا احمد علی سہارن پوری نے ۱۲۶۲ھ میں حجاز سے واپس آجانے کے بعد دہلی میں ایک پریس، مطبع احمدی کے نام سے قائم کیا تھا اور اس مطبع سے بالخصوص کتب حدیث کی اشاعت کا خوب کام ہوا۔ مطبع احمدی سے ۱۲۶۵ھ میں جامع ترمذی ۱۲۶۷ھ میں صحیح بخاری[۶] اور ۱۲۷۱ھ میں مشکوٰۃ المصابیح نہایت اہتمام سے شائع ہوئیں۔ صحیح بخاری کی تصحیح و تحشیہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی

۱؎ سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۶۔

۲؎ تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۳۵

۳؎ حیات شبلی ص ۸۵

۴؎ تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی (فارسی) ص ۲۱۰ (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

۵؎ سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۶۔

۶؎ حیات شبلی ص ۸۵۔

بھی شریک رہے اور اس کام کو انھوں نے باحسن وجوہ انجام دیا جس سے حدیث میں ان کی ژرف نگاری، زرکی اور ممارست کا اندازہ ہوتا ہے مولانا محمد یعقوب نانوتوی لکھتے ہیں[1]:-

"اس زمانے میں جناب مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کی کہ پانچ چھ سپارے آخر کے باقی تھے۔ مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) کے سپرد کیا مولوی صاحب نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اُس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اُس زمانہ میں بعض لوگوں نے جو مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کام کیا کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کیا اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان کو دکھلایا۔ جب لوگوں نے جانا۔ وہ جگہ بخاری میں سب جگہ سے مشکل ہے علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اوّل سے التزام ہے اور اس جگہ پر امام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور ان کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں۔ اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ اور سمجھ لے کہ کیسا حاشیہ لکھا ہے۔ اور اس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ کوئی بات بے سند کتاب کے محض اپنے فہم سے نہ لکھی جائے۔"

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا تعلق مطبع احمدی سے کب تک رہا اس کے متعلق کوئی یقینی معلومات نہیں ملتیں مگر مطبع احمدی دہلی میں انقلاب ۱۸۵۷ء تک قائم رہا۔ اس انقلاب میں یہ مطبع ختم ہوگیا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ جب تک مطبع رہا اسی وقت تک اس مطبع سے مولانا محمد قاسم کا تعلق رہا ہوگا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء اور حج بیت اللہ

مولانا محمد قاسم نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا اور اس کے شدائد و مصائب بھی بھگتے، بوڑھیہ، گمتھلہ، لاڈوہ، بنجلاسہ جمنا پار کے مواضع میں روپوش رہے۔ اسی روپوشی کے سلسلہ میں ۵ ارجمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۸۶۰ء میں نانوتہ سے حج کے لئے روانہ ہوئے، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، خاص طور سے رفیق سفر رہے، مولانا نانوتوی کا یہ سفر نانوتہ سے فیروز پور تک خشکی سے اور فیروز پور سے گھوڑا باری (کراچی) تک

---

[1] سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی صد ۲۶۔

کشتیوں کے ذریعے ہوا۔

۱۲۸۵ھ میں منشی ممتاز علی صاحب ہجرت کے ارادے سے حجاز گئے تھے مگر دوسرے سال ہندوستان واپس آگئے اور اس مرتبہ انھوں نے اپنا پریس "مطبع مجتبائی" کے نام سے دہلی میں قائم کیا اور مولانا محمد قاسم کو مطبع میں تصحیح وغیرہ کا کام کرنے کے لئے دہلی بلا لیا۔ چنانچہ مولانا نانوتوی نے تصحیح و تدریس کا کام انجام دیا، مطبع مجتبائی سے ۱۲۸۶ھ میں ایک حمائل شریف شائع ہوئی جس کی تصحیح مولانا نانوتوی نے فرمائی ہے مولوی عبدالاحد مرحوم لکھتے ہیں[1]

"خداوندا آپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ حمائل شریف اب تیسری دفعہ اس مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی۔ ایک دفعہ تو منشی محمد ممتاز علی نزہت رقم مہاجر مکی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھی اور قاسم الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے اس کی تصحیح فرمائی"

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس حمائل کی طباعت کے سلسلہ میں دو قطعات تاریخ لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں[2]:

(۱)

حمائل کز شرف دارد شرف بر حاصل کاہہا ✽ کہ ایں جا است و بر جان است صد گونہ بلا ئہا

نوشت و طبع زد نزہت رقم ممتاز علی، قاسم ✽ صحیحش کرد تاں گردید تعویذ دل و جاہہا

(۲)

چھاپی وہ حمائل کہ اگر جان کے لب ہوں ✽ بے ساختہ بول اٹھے کہ مرغوب چھپی ہے

میں نے بھی کہا مدح میں اور کیونکہ نہ کہیئے ✽ کہتے ہیں تکرار عدد خوب چھپی ہے

ایک راحت دل راحت دل پر ہے مضاعف ✽ کیا لکھی کیا عمدہ خوش اسلوب چھپی ہے (۶۴۳)

کیا کہنے حمائل کے بہت خوب ہی چھاپی (۶۴۳ / ۱۲۸۶ھ) ✽ کیا کہنے ہیں پاکیزہ بہت خوب چھپی ہے (۱۲۸۹ھ / ۱۲۸۶ھ)

مطبع مجتبائی میرٹھ سے تعلق

مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) میں سفر حج سے واپس آئے اب حالات کچھ سازگار ہوگئے تھے اور معافی کا اعلان عام ہو چکا تھا،

[1] خاتمۃ الطبع، حمائل شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۰ھ۔ ص ۲۹۔

[2] ایضاً ص ۳۱۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی، مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیح وغیرہ کے سلسلہ میں ملازم ہو گئے۔ اس مطبع کے مالک منشی ممتاز علی بن شیخ امجد علی تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ فن خوشنویسی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے اور "نزہت رقم" ان کا لقب تھا۔[۱] مولانا محمد قاسم سے ان کے پہلے سے تعلقات تھے، ہمارا خیال ہے کہ منشی ممتاز علی نزہت رقم، مولانا احمد علی سہارنپوری کے مطبع دہلی میں ملازم ہوں گے اور وہیں ان کے تعلقات مولانا نانوتوی سے ہوئے ہوں گے۔ مولانا نانوتوی ۱۲۸۵ھ تک اس مطبع سے وابستہ رہے۔ اسی سال مولانا نانوتوی اور منشی ممتاز علی مالک مطبع، حج بیت کو تشریف لے گئے۔ منشی ممتاز علی ہجرت کے ارادہ سے گئے تھے اس لئے وہ مطبع میرٹھ ختم کر کے گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حج بیت اللہ سے واپس آ کر مطبع ہاشمی میرٹھ میں کام کرنے لگے۔ میرٹھ کے قیام کے زمانے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبد الجلیل علی گڑھی (ش ۱۸۵۷ء) کے فرزند مولوی محمد اسماعیل (ف شوال ۱۳۱۱ھ) کو بخاری پڑھانے کی غرض سے علی گڑھ گئے نو مہینے مولانا نانوتوی کا قیام علی گڑھ میں رہا۔[۲]

دار العلوم کا قیام

۱۸۵۷ء میں سقوط دہلی کے بعد اسلامی درس گاہوں اور مدارس کو سخت نقصان پہنچا بہت سے علماء ختم ہو گئے کچھ حجاز وغیرہ چلے گئے مگر شاہ محمد اسحاق دہلوی کے سلسلہ کے بعض علماء کو ایک درس گاہ قائم کرنے کا خیال ہوا۔ "مولوی فضل الرحمٰن، مولوی ذوالفقار علی اور حاجی محمد عابد حسین صاحب (ف ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء) نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں"[۳] چنانچہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دیوبند کی مشہور چھتہ والی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے کھلے صحن میں اس مدرسہ کا آغاز ہوا جس کی سرپرستی اور رہنمائی مولانا محمد قاسم نے کی۔ اس درس گاہ کے سب سے پہلے طالب علم محمود (شیخ الہند مولانا محمود الحسن) اور پہلے استاد ملا محمود تھے چندہ کے لئے سب سے پہلے جس نے رومال پھیلایا اور

۱۔ سوانح قاسمی جلد اوّل ص ۵۳۳۔

۲۔ تراجم علمائے اہل حدیث از ابو یحییٰ امام خان نوشہروی ص ۳۲۴-۳۲۵ (دہلی ۱۹۳۸ء)

۳۔ سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۱۲ یہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا بیان ہے، مولانا محمد میاں دیوبندی صاحب نے بانیوں میں حاجی عابد حسین کے علاوہ مولوی مہتاب علی اور شیخ نہال احمد کا نام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو علماء حق حصہ اوّل از مولانا محمد میاں ص ۶۶-۶۷ (دہلی ۱۹۴۷ء)

جس نے سب سے پہلے چندہ دیا، وہ حاجی عابد حسین تھے۔ تھوڑی دیر میں تقریباً چار سو روپے جمع ہو گئے۔ ۱۹ محرم کو ایک اشتہار کے ذریعہ قیام مدرسہ کا اعلان کیا گیا۔ پہلے سال کے اختتام تک طلباء کی تعداد ۷۸ ہو گئی جس میں بیرون ہند کے طلباء بھی شامل تھے۔ طلباء کے اضافہ کے ساتھ مدرسین کا بھی اضافہ ہوا۔ اور چار مدرس اور بڑھائے گئے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ چند ہی سال میں چھتہ کی مسجد ناکافی ثابت ہوئی تو سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں مدرسہ، جامع مسجد (دیوبند) میں منتقل ہو گیا۔ مگر جلد ہی یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم کے لئے آبادی سے باہر ایک کشادہ اور وسیع عمارت کی تجویز پیش کی اور قطعہ اراضی خریدنے کے بعد ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۶ء) کو جمعہ کے دن موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی عابد حسین اور مولانا محمد مظہر کاندھلوی نے علی الترتیب ایک ایک اینٹ رکھی[1] مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے مادہ تاریخ "تعمیر اشرف عمارات" سے نکالا جس سے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) برآمد ہوتے ہیں چونکہ تعمیر کا سال آئندہ سال ہی شروع ہوا اس لئے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) کو آغاز تعمیر قرار دیا گیا[3]

اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں[4]

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس

---

[1] یا تو یہ مولانا محمد مظہر نانوتوی ہوں گے ورنہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی ہوں گے۔

[2] تاریخ دیوبند ص ۸۲، مگر مولانا محمد میاں نے حاجی عابد حسین، مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی کے علاوہ چوتھا نام میاں جی منے شاہ صاحب کا لکھا ہے (علمائے حق جلد اول ص ۸)

[3] اس سلسلہ میں راقم کا ایک مقالہ "تحریک دیوبند" مجریہ روزنامہ "انجام" کراچی ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء ملاحظہ ہو۔

[4] اخبار "انجمن پنجاب" لاہور مجریہ ۱۹ فروری سنہ ۱۸۷۵ء بحوالہ تاریخ صحافت اردو جلد دوم (حصہ اول) از مولانا امداد صابری ص ۲۳۳-۲۳۴ (مطبوعہ دہلی۔ بغیر سال طباعت)

روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار مدد و معاون سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن (سلیم الطبع) ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تعلیم نہ ہوتا ہو۔ صرف مسلمانوں کے لئے تو اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی اور میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو خالی نفع سے نہیں، اے صاحب سنا کرتے تھے کہ ولایت انگلستان میں اندھوں کا مدرسہ ہے یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر ایسی ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید۔"

دارالعلوم دیوبند آج برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہے اور بین الاقوامی شہرت و عظمت کا مالک ہے۔

۱۲۸۵ھ میں مولانا محمد قاسم دوبارہ حج کے لئے تشریف لے گئے بعض رفقاء مولانا نانوتوی کے ہمراہ تھے۔[1]

پادری تاراچند سے مناظرہ

برصغیر پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ہم دوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور ہر ممکن صورت سے اس مغلوب ملک کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی کوشش کی گئی اور کمپنی کی تائید و اعانت سے ملک کے طول و عرض میں مسیحی تبلیغ و تنظیم کے آثار قائم کئے گئے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد تو اس سلسلہ کو بہت وسعت ہوئی۔ پادری بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات کرنے لگے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دہلی کے قیام کے زمانے میں جب یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ وہ اسی طرح کھڑے ہوکر بازار میں وعظ کہا کریں اور پادریوں کا رد کریں اور ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچے اور ایک پادری تاراچند سے مناظرہ کیا اور اس کو برسر بازار شکست دی۔ اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام ابوالمنصور ناصر الدین علی دہلوی (ف ۱۳۲۰ھ) سے ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ تا جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی منشی ممتاز علی کے

---

[1] سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۱۲ تعجب ہے مؤلف تذکرہ مشائخ دیوبند نے اس حج کا ذکر نہیں کیا (تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۴۸)۔

مطبع مجتبائی دہلی میں مقیم تھے۔

میلہ خداشناسی شاہجہان پور

انگریزی حکومت نے ایک خطرناک سازش یہ کی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اہمیت حاصل رہی تھی۔ انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو بڑھایا اور مسلمانوں کو گھٹایا۔ جب معاشی وسیاسی میدان میں ہندو آگے بڑھ گئے تو ان کو مذہبی برتری کی راہ سجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں مناظرہ کے لئے تیار کیا اور اس کے مواقع بھی بہم پہنچائے گئے کہ ہندو، مسلمانوں سے کھلے عام مناظرے کریں۔

شاہجہان پور (یوپی) کے قریب چاندا پور گاؤں میں یہاں کے زمیندار پیارے لال کبیر پنتھی، پادری نولس کی سربراہی، اور رابرٹ جارج گبری کلکٹر شاہجہان پور کی تائید واجازت سے ۷، ۸ رمئی ۱۸۷۶ء کو ایک میلہ خداشناسی منعقد ہوا جس میں عیسائی، ہندو اور مسلمان تینوں مذاہب کے نمایندوں کو بذریعہ اشتہارات دعوت دی گئی کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ مولانا محمد منیر نانوتوی اور مولوی الٰہی بخش رنگین بریلوی کی تحریک پر مولانا محمود الحسن، مولوی رحیم اللہ بجنوری اور مولانا فخرالحسن صاحب کے ہمراہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اس میلہ میں پہنچے، مولانا نانوتوی کے علاوہ مولانا ابوالمنصور دہلوی، مرزا موحد جالندھری، مولوی احمد علی دہلوی، میر حیدر علی دہلوی، مولوی نعمان بن لقمان اور مولوی رنگین بریلوی بھی شریک ہوئے۔ اور ان تمام علماء نے اس میلہ میں تقاریر کیں اور ان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے "ابطال تثلیث وشرک اور اثبات توحید پر ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف وموافق مان گئے" ایک اخبار لکھتا ہے[1]:

"۸ رمئی سنہ حال (۱۸۷۶ء) کے جلسہ میں مولانا قاسم صاحب نے درس دیا اور فضائل اسلام بیان کئے۔ پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں، طول، عرض، عمق سو تثلیث ہر طرح ثابت ہے، مولوی موصوف نے اس کا رد اسی وقت کردیا۔ پھر پادری صاحب اور مولوی صاحب تقدیر کے معاملہ میں بحث کرتے تھے اس میں جلسہ برخاست ہوگیا۔ تمام قرب وجوار اور چاروں طرف شور وغل مچ گیا کہ مسلمان جیت

---

[1] اخبار "خیر خواہ عالم" دہلی مؤرخہ ۱۹ رمئی ۱۸۷۶ء بحوالہ تاریخ صحافت اردو جلد دوم (حصہ اول) ص ۴۴۲/۴۴۳

گئے جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا اس کے اردگرد ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اول روز کے جلسے میں جو اعتراضات اہلِ اسلام کے تھے، ان کا جواب عیسائیوں نے کچھ نہ دیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے جوابات حرف بحرف دیئے اور فتح یاب ہوئے۔"

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ میلہ پھر منعقد ہوا۔ اب کی مولانا محمد قاسم نانوتوی کو اسٹیشن سے مولوی حفیظ اللہ خاں وغیرہ لے گئے اور مولوی عبد الغفور کے مہمان ہوئے۔ اس مرتبہ منشی اندرمن مرادآبادی اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند جی (ف ۱۸۸۳ء) بھی شریک ہوئے۔ دیانند جی نے سنسکرت آمیز ہندی میں تقریر بھی کی۔ پادری نولس نے ایک دوسرے پادری اسکاٹ کو بھی بلایا تھا۔ مولانا محمد قاسم کے ہمراہ مولوی محمد علی کچھرالوی بھی تھے۔ مولانا محمد قاسم کی تقاریر بحثِ وجود اور توحید اور تحریف پر ہوئیں اور نہایت کامیاب رہیں۔

اس مرتبہ علمائِ اسلام کے طعام و قیام کے فرائض محمد طاہر موتی میاں[1] نے انجام دیئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے میلہ خدا شناسی میں دونوں سال شریک ہو کر عیسائیوں اور ہندوؤں کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ایک بات یہاں خاص طور سے غور طلب ہے کہ میلہ خدا شناسی شاہجہان پور، اعلان و اشتہار کے ساتھ دو سال منعقد ہوا، اور اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کو چیلنج کیا گیا تھا۔ شاہجہان پور سے بریلی اور بدایوں بالکل قریب اور متصل اضلاع ہیں مگر اس میلہ میں علمائے بدایوں اور بریلی کی کسی دلچسپی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

مناظرہ رڑکی

شوال ۱۲۹۴ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی علمائِ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں واپس ہوئے۔ واپسی میں جدہ سے مولانا نانوتوی رح کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وطن آکر طبیعت کسی قدر سنبھل گئی مگر مرض دفع نہ ہوا۔ اسی سال شعبان ۱۲۹۵ھ میں رڑکی سے اطلاع ملی کہ پنڈت دیانند جی یہاں پہنچے ہیں اور مذہبِ اسلام پر اعتراض

---

[1] محمد طاہر عرف موتی میاں کو مولانا مناظر احسن گیلانی شاہ مدن شاہ آبادی (ف ۱۱۸۸ھ) کی اولاد لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ موتی میاں مولوی مدن (مجد الدین) (ف ۱۲۲۸ھ) کے پرپوتے تھے، موتی میاں بن مولوی عبد اللہ بن مولوی نظام الدین بن مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن، ان مولوی مدن نے شاہ عبد العزیز دہلوی سے علوم معقول پر مباحثہ کیا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہان پور از میاں صبیح الدین ص ۱۴۰، ۱۵۷، لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

کرتے ہیں۔ مولانا نانوتوی باوجود کمزوری اور بیماری کے رڑکی پہنچے بہرچند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے گفتگو ہو جائے مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور رڑکی سے چل دیئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایما پر مولانا فخر الحسن اور مولانا محمود الحسن نے عام جلسوں میں تقریریں کیں اور پنڈت جی کو چیلنج دیا۔ مولانا نانوتوی نے پبلک جلسہ میں ان کے اعتراضات کے جواب دیئے اور استقبال قبلہ کے جواب میں ایک رسالہ لکھا[1]۔

اس کے بعد پنڈت دیانند جی میرٹھ پہنچے اُنھوں نے وہاں بھی وہی انداز اختیار کیا مسلمانان میرٹھ کی درخواست پر مولانا نانوتوی میرٹھ پہنچے۔ پنڈت جی نے وہاں بھی گفتگو نہ کی اور چلتے بنے۔ مولانا نانوتوی نے میرٹھ میں جلسہ عام میں تقریر کی اور اعتراضات کے جواب دیئے۔

انتقال حج سے واپس آنے کے بعد مولانا نانوتوی کی بیماری کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ درمیان میں علاج اور دواؤں سے کچھ افاقہ ہو گیا مگر مرض گیا نہیں اور سانس کا دورہ شروع ہو گیا۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ بروز پنجشنبہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کا وصال ہوا۔ بعد مغرب اس "خزانہ خوبی" کو سپرد زمین کر دیا گیا۔ ۱۲۹۷ھ
انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نانوتوی نے دو صاحبزادے محمد ہاشم اور شمس العلماء حافظ احمد (ف ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء) اور دو صاحبزادیاں اکرامن اور رقیہ یادگار چھوڑیں۔ محمد ہاشم کا جوانی میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ حافظ احمد صاحب کے دو صاحبزادے مولوی محمد طاہر اور مولانا طیب ہوئے۔ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند موجود ہیں۔

اکرامن کی شادی مولوی عبداللہ انبہوٹی سے ہوئی، جو صدر شعبہ دینیات، ایم اے او کالج (علی گڑھ) تھے۔ رقیہ کی شادی مولوی محمد صدیق گنگوہی سے ہوئی جن کے صاحبزادے مولوی محمد عمر (ناظم تفرقات دارالعلوم دیوبند) ہیں[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو "انتصار الاسلام" از مولانا محمد قاسم نانوتوی مرتبہ فخر الحسن ص ۲-۷ (دیوبند ۱۹۵۲ء)۔

[2] مولانا محمد طیب صاحب نے سوانح قاسمی جلد اول (ص ۵۰۴ تا ۵۰۷) کے ایک طویل حاشیہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اولاد کی تفصیل درج کی ہے۔

تصانیف

مولانا محمد قاسم نانوتوی تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں۔ انھوں نے اپنے زمانے کے ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے، جو اس زمانے میں زیر بحث تھے بلکہ مولانا نانوتوی کی تمام تر تصانیف کسی نہ کسی کے استفسار کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا نانوتوی کے مضامین اور بیان نہایت ادق اور مشکل ہیں۔ مولوی منصور العلی خاں مرادآبادی لکھتے ہیں:

"میں نے جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کو خوب دیکھا ہے اور ان کی تقریر بھی سنی ہے اور ان کے خیالات اور اوصاف پر غور کیا ہے۔ ان کا ذہن مصنفین فلسفہ کے ذہن سے بھی عالی تھا۔ وہ ہر مسئلہ شرعی کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنے پر اور مسئلہ فلسفی مخالف شرع کو دلائل عقلیہ سے رد کرنے پر ایسے قادر تھے کہ دوسرے کسی عالم کو میں نے ایسی قوت علمیہ اور بیانیہ والا نہیں دیکھا۔"

چنانچہ اسی قوت علمیہ اور قوت بیانیہ کی پوری پوری جھلک مولانا نانوتوی کی تصانیف میں ملتی ہے۔ منشی ممتاز علی مالک مطبع مجتبائی دہلی نے ۱۲۹۲ھ میں مولانا نانوتوی کی تمام تر تصانیف کا ایک پروگرام بنایا اور "قاسم العلوم" سلسلہ کے تحت ان کو شائع کرنا شروع بھی کیا مگر افسوس کہ یہ سلسلہ پورا نہ ہوسکا۔ قاسم العلوم کے صرف چار حصے شائع ہوسکے۔ اس میں گیارہ مکتوب (رسالے) شائع ہوسکے۔ ان کا پہلا حصہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ اور چوتھا حصہ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا، ان رسالوں کی تصحیح خود مولانا نانوتوی نے کی ہے اور اس زمانے میں مولانا نانوتوی کے قیام دہلی ہی میں رہا۔ ہمارا خیال ہے کہ پادری تاراچند کا واقعہ بھی اسی زمانے میں ہوا ہوگا۔